© rasailojaraid.com

سیکولرازم‘ انتہا پسند لادینیت اور اعتدال کا راستہ

محمد ندیم اعوان

چودھویں صدی ہجری کے آغاز سے لے کر آج تک دنیائے اسلام ایک شدید ذہنی کشمکش اور سیاسی افراتفری کا شکار ہے۔ ایک طرف امتِ مسلمہ میں فکری جمود وزوال اپنے عروج پر ہے‘ جبکہ دوسری طرف دنیائے مغرب میں تبدیلی کی ایک طاقت اور نئی روح جنم لے چکی ہے۔ یورپ کے محققین دنیا کے چپے چپے پر تحقیق کر رہے ہیں‘ سائنس اور ٹیکنالوجی کے نئے نئے گوشے سامنے آ رہے ہیں۔ مغرب فکری اعتبار سے انتہا کو پہنچ چکا ہے‘ جبکہ امت مسلمہ مغربی تقلید کے خول سے باہر نکلنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ ہمارے فکری جمود نے مغربی تصورات کو دنیائے اسلام میں تیزی سے پھیلنے کو مزید آسان بنا دیا ہے۔ تصورات کے پھیلنے سے مغربی تہذیب کے حدود وسیع تر ہوتے گئے اور یوں اُمت مسلمہ مغربی افکار سے مرعوب ہوتی چلی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ آج امت مسلمہ کا ہر فرد مغرب کے گیت گاتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور حکمران طبقہ نے تو مغرب کے تصورِ تعلیم اور مغرب کے معیارِ تعلیم ہی کو کامیابی کی کلید سمجھ رکھا ہے۔ مغرب کی تہذیبی بالادستی اور اور امت مسلمہ کی مرعوبیت نے اُن کی سیاسی بالادستی کی راہ ہموار کرنے میں کافی مدد کی اور بالآخر معاشی اور فنی ترقی کے نتیجے میں وہ عسکری طور پر مستحکم اور مضبوط ہوتے چلے گئے اور یوں پوری دنیا پر اجارہ داری (غنڈہ گردی) کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا جا رہا ہے۔

اہلِ مغرب کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ دنیائے اسلام میں تیزی سے اپنے تصورات کو فروغ دینے کے لیے خوش نما عنوانات تراشتے ہیں۔ ان اچھے عنوانات کے مندرجات چاہے جتنے بھی مکروہ‘ بھیانک اور ناقابلِ قبول ہوں‘ عنوانات کی جاذبیت اور دلکشی مندرجات کے فروغ کو آسان بنا دیتی ہے۔ چنانچہ مغربی ممالک میں موجود معاشرتی افراتفری‘ خاندان کے ادارے کی شکست وریخت‘ عام بے حیائی‘ مرد وزن کے درمیان تعلقات میں فسادات‘ ان تمام خرابیوں کا نام وہاں مساواتِ مرد وزن ہے۔ مساوات کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا‘ لیکن اس عنوان کے تحت جو مندرجات بیان کیے جاتے ہیں وہ کسی بھی اسلامی معاشرے کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ ان خود ساختہ اور تراشیدہ عنوانات واصطلاحات میں سے ایک ’’سیکولرازم‘‘ کی اصطلاح بھی ہے۔

سیکولرازم لاطینی زبان کے لفظ ’’سیکولم‘‘ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ’’دنیا‘‘ کے ہیں۔ یہ اصطلاح پہلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرتبہ اٹھارہویں صدی کے ایک انگریز مفکّر اور دانشور جارج جیکب ہولی اوک (۱۸۱۷ء۔۱۹۰۶ء) نے وضع کی۔ جیکب ہولی اوک برطانیہ کے شہر برمنگھم کے مکینکس انسٹیٹیوٹ کا استاد تھا۔ مشہور خیالی سوشلسٹ رابرٹ اووین کا ہم نوا ہونے کے جرم میں اسے ادارے سے نکال دیا گیا۔ اُس زمانے میں لندن سے روشن خیالوں کا ایک رسالہ ''ندائے عقل'' شائع ہوتا تھا' جیکب بھی اُسی رسالے سے منسلک ہوا۔ ۱۸۴۱ء میں اس رسالے کے مدیر کو مسیحی اصولوں سے انحراف کے جرم میں ایک سال کے لیے جیل بھیج دیا گیا' تو جیکب اس رسالے کا مدیر مقرر ہوا۔ ابھی چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ اس کو بھی منطقی دلائل پر مبنی ایک تقریر کرنے کی پاداش میں چھ ماہ کے لیے قید کی سزا دی گئی۔ قید سے رہائی کے بعد جیکب ہولی اوک ترقی پسند سائنسی خیالات کی ترویج کے لیے تقریریں کرتا اور رسالے لکھتا رہا۔ ۱۸۵۱ء میں اس نے لندن میں ''سنٹرل سیکولر سوسائٹی'' کے نام سے ایک علمی و ادبی انجمن قائم کی' جس میں اُس کا موقف مندرجہ ذیل نکات پر مشتمل تھا:

۱) انسان کی سچی رہنما سائنس ہے۔

۲) اخلاق' مذہب سے جدا ایک پرانی حقیقت ہے۔

۳) علم و ادراک کی واحد کسوٹی اور سند عقل ہے۔

۴) ہر شخص کو فکر اور تقریر کی آزادی ملنی چاہیے۔

۵) دنیا کو بہتر بنانے کی کوشش ہم سب کو کرنی چاہیے۔

سیکولرازم دراصل ''لادینیت'' کا دوسرا نام ہے' جسے خوش نما بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ اصطلاح چرچ یعنی مذہب اور ریاست یعنی سیاست کو الگ کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ گویا سیکولرازم دراصل سیاست اور مذہب کے مابین تفریق کا نام ہے' لیکن ہمارے جدید دانشوران اور بعض صحافی حضرات کا کہنا ہے کہ سیکولرازم لادینیت نہیں بلکہ ''فکر پسندی'' اور ''پُرامن بقائے باہمی'' کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے سیکولرازم یعنی لادینیت کا تذکرہ کرتے ہوئے پُرکشش الفاظ کا سہارا لے کر اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ چنانچہ مولانا وحید الدین خان ''مسائل اجتہاد'' میں لکھتے ہیں: ''حقیقت یہ ہے سیکولرازم کوئی مذہبی عقیدہ نہیں۔ سیکولرازم کا مطلب لامذہبیت نہیں' بلکہ مذہب کے بارے میں غیر جانب دارانہ پالیسی اختیار کرنا ہے۔ یہ ایک عملی تدبیر ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مذہبی نزاع سے بچتے ہوئے سیاسی اور اقتصادی امور میں مشترک بنیاد پر ملک کا نظام چلایا جائے۔''

نامور دانشور اور مصنف محترم سبط حسن اپنی تصنیف ''نوید فکر'' میں سیکولرازم کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرونِ وسطیٰ میں رومن کیتھولک پادری دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک وہ پادری جو کلیسائی ضابطوں کے تحت خانقاہوں میں رہتے تھے۔ دوسرے وہ پادری جو عام شہریوں کی سی زندگی بسر کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے۔ کلیسا کی اصطلاح میں آخرالذکر کو سیکولر پادری کہا جاتا تھا۔ وہ تمام ادارے بھی سیکولر کہلاتے تھے جو کلیسا کے ماتحت نہ تھے اور وہ جائیداد بھی جس کو کلیسا فروخت کر دیتا تھا۔ آج کل سیکولرازم سے مراد ریاستی سیاست یا نظم و نسق کی مذہب یا کلیسا سے علیحدگی ہے۔'' (نوید فکر' صفحہ ۶۹)

آگے لکھتے ہیں:

''سیکولرازم کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ضمیر و فکر اور اظہارِ رائے کی آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے' لہٰذا ہر فرد کو پوری اجازت ہونی چاہیے کہ سچائی کا راستہ خود تلاش کرے اور زندگی کے تمام مسائل' خواہ ان کا تعلق سیاست اور اقتصادیات سے ہو یا مذہب و اخلاق سے' فلسفہ و حکمت سے ہو یا ادب و فن سے' اپنے خیالات کی بلاخوف و خطر ترویج کرے۔ طاقت کے زور پر کسی کا منہ بند کرنا یا دھمکی اور دھونس سے کسی کو زبردستی اپنا ہم خیال بنانا حقوقِ انسانی کے منافی ہے۔''

اس کے علاوہ بھی ہمارے بعض نامور دانشور اور صحافی حضرات سیکولرازم کی کئی تعریفیں پیش کر چکے ہیں' مثلاً:

۱) یہ پُرامن انداز سے امورِ زندگی چلانے سے متعلق ایک علم ہے۔

۲) سیکولرازم تو محض انسان دوستی اور اعلیٰ اخلاقیات کا نام ہے' اسے لادینیت نہیں کہا جا سکتا۔

۳) سیکولرازم پُرامن بقائے باہمی کا نام ہے جو کسی بھی ریاست کے ساتھ مستقل دشمنی یا عناد اختیار نہیں کرتا' بلکہ مکالمے اور مذاکرات کی مدد سے کوشش کی جاتی ہے کہ تنازعات کا ایسا حل تلاش کیا جائے جس میں جملہ فریقین کے مفادات کا زیادہ سے زیادہ تحفظ کیا جا سکے۔ چنانچہ سیکولر ریاست جارحیت کے بجائے دفاع اور جنگ کے بجائے مکالمے پر یقین رکھتی ہے۔

۴) سیکولرازم ہرگز بھی کوئی الگ دین یا مذہب نہیں' بلکہ ریاستی سطح پر اپنایا جانے والا ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جہاں ہر مذہب یا دین کا پیروکار اپنے ساتھ ساتھ دوسرے فرد کی مذہبی آزادی کو تسلیم کرتا ہے اور ریاستی طور پر مذہب کی بنیاد پر کسی کو برتر جان کر قانون سازی و فیصلہ سازی کا اختیار تسلیم نہیں کیا جاتا۔ سیکولرازم کی بات کرنے والے بنیادی طور پر اس کو عقیدہ و نظریہ کے طور پر ہرگز نہیں مانتے' بلکہ انتظامی طور پر اس کو اختیار کرنے کی سفارش کی جاتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیکولرازم کی بات کرنے والا مذہبی و نظریاتی طور پر سیکولر نہیں ہوتا' بلکہ:

☆ کوئی ہندو ہوگا' جو ہندومت کو دوسروں پر نافذ کرنے کی سوچ سے اوپر اُٹھ کر دوسرے مذاہب کو آزادی دینے کی بات کرتا ہے۔

☆ کوئی مسیحی ہوگا' جو اپنے عقیدے کی مذہبی روایات و تاریخ کے مطابق دوسروں کی مذہبی آزادی پر قدغن نہیں لگاتا' بلکہ دوسروں کو بھی یہی حق دینا تسلیم کرتا ہے۔

☆ کوئی یہودی ہوگا جو اپنے لیے چاہے یہودیت پسند کرے' لیکن دوسروں کو یہودی نہ ہونے کی بنیاد پر خود سے کمتر سمجھتے ہوئے زیر تسلط رکھنے کی منفی سوچ سے دور ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

☆ کوئی ملحد ہوگا‘ جو اپنے نظریے کے مطابق تو تمام مذاہب کو درست نہیں سمجھتا‘ لیکن سیکولر ہوتے ہوئے شدت پسندی سے دور ہو کر دوسروں کا مذہبی حق ان کے لیے محفوظ سمجھتا ہے۔

☆ اسی طرح کوئی مسلمان ہوگا‘ جو اپنے لیے اگر اسلام کو پسند کرتا ہے تو اسی طرح دوسروں کو اپنا مذہب رکھنے اور اس پر عمل کرنے کی آزادی کا قائل ہوتا ہے۔

گویا حقیقی طور پر ہر مذہب یا نظریہ والا خود کو صحیح سمجھنے کے باوجود اپنے نظریے کو بزورِ بازو دوسروں پر نافذ کرنے اور مذہبی بنیاد پر تفریق کی جب نفی کرے تو وہ سیکولر ہے‘ ورنہ بنیادی عقیدہ ونظریہ میں تو کوئی سیکولر ہو ہی نہیں سکتا جو سیکولرازم کو الگ دین یا مذہب مانا جائے‘ بلکہ اپنے اپنے نظریے کے مطابق تو ہر ایک چاہے گا کہ وہ جس کو درست سمجھتا ہے بس اسی کو نافذ کر دیا جائے اور دوسروں کو نچلے درجے کا شہری مانا جائے۔ چنانچہ سیکولرازم ہی وہ واحد پلیٹ فارم ہے جس پر ہر مذہب ونظریہ کے حامل آپس میں برابری کی سطح پر رہ سکتے ہیں اور یہی اس کا بنیادی مقدمہ ہے جو کہ ہرگز مذہبی یا نظریاتی نہیں‘ بلکہ انتظامی ہے۔

ہمارے دانشور حضرات کی مغرب نوازی کا ثبوت تو دیکھئے کہ کس عرق ریزی سے سماج کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ سیکولرازم محض اخلاقیات‘ انسانیت‘ محبت اور سیاسی بندوبست کا نام ہے۔ درحقیقت سیکولرازم صرف ایک ’’سیاسی بندوبست‘‘ نہیں ہے‘ بلکہ اس کے پیچھے مخصوص مابعدالطبیعیاتی اور اخلاقی تصورات کا ایک نظام موجود ہے۔ سیکولرازم کا معنی اگر بس اتنا ہی ہے جیسا کہ سیکولرازم کے دیسی حامی باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مختلف مذاہب کے لوگوں کے لیے ایک معاشرے میں اپنی انفرادی زندگیوں میں اپنے اپنے مذہب کی تعلیمات پر عمل پیرا رہنا ممکن ہو‘ تو یہ کون سی نئی اور انوکھی چیز ہے؟ ایسا تو صدیوں سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے تقریباً ہزار سالہ دورِ حکومت میں کیا مسلمان‘ ہندو اور سکھ اکٹھے نہیں رہتے تھے؟ کیا مسلمانوں نے ہندوؤں اور سکھوں کا اس طرح قتل عام شروع کر رکھا تھا جیسے لبرل سیکولرز نے ریڈ انڈینز کا قتل عام کیا؟ کیا مسلمانوں نے ہندوؤں اور سکھوں سے ان کی نجی ومذہبی آزادیاں سلب کر لی تھیں؟ کیا مسلمانوں نے دیگر اہل مذاہب سے اپنے بچوں کو اپنے مذہب کی تعلیم وشناخت دینے کا حق چھین لیا تھا؟ کیا ان کی عبادت گاہوں پر تالے ڈال کر ان کے لیے مذہبی رسومات کی ادائیگی ناممکن بنا دی تھی؟ کیا ان لوگوں کو اپنے مذہب کی تعلیمات کے مطابق شادی بیاہ وغیرہ کے امور ادا کرنے سے روک دیا گیا تھا؟ چنانچہ مسلمانوں کی کسی بھی خلافت وسلطنت کو دیکھ لیجیے‘ وہاں مذہبی اقلیتوں کو اپنے مذہب کے مطابق نجی زندگی گزارنے کا حق میسر رہا ہے۔

اس اُلجھن کو سلجھانے کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم مغرب کے علمی ماخذات کی طرف رجوع کریں۔ مغربی علمی ماخذات کا مطالعہ کرنے سے حقیقت چیخ چیخ کر خود کو بیان کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ چنانچہ

☆ ویبسٹرز ڈکشنری میں سیکولرازم کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"The belief that religion should not play a role in government,

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

education, or other public parts of society.”

یعنی دُنیاوی امور سے مذہب اور مذہبی تصورات کا اخراج۔

☆ آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق ’’سیکولرازم سے مراد یہ نظریہ کہ مذہب اور مذہبی خیالات وتصورات کو ارادتاً دنیاوی امور سے حذف کر دیا جائے۔‘‘

☆ انسائیکلوپیڈیا آف تھیالوجی کے مطابق ’’سیکولرزم ایک ایسا طریقہ عمل بھی سمجھا جا رہا ہے جس کے ذریعے انسانی زندگی کے مختلف عناصر جیسے آراء‘ رسوم ورواج‘ سماجی طرزِ عمل حتیٰ کہ اشیاء اور انسانوں پر بھی اس بات کی پابندی ہو کہ وہ اپنا تعین مذہب کے ذریعے نہ کریں۔‘‘

☆ ویبسٹرز نیو ورلڈ ڈکشنری آف دی امریکن لینگوئج میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے: ’’سیکولرزم اعتقاد اور اعمال کا ایسا نظام ہے جو مذہبی عقیدے کی کسی بھی صورت کی نفی کرتا ہو‘‘۔ اسی ڈکشنری میں لفظ سیکولرائز کے معنی ہیں: ’’کسی چیز سے مذہبی کردار کو نکال دینا‘‘۔ اب آپ غور فرمایئے‘ مذہبی عقیدے کی کسی بھی صورت کی نفی کرنا۔ گویا مذہب کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں اور مذہبی کردار کو نکالے بغیر کوئی چیز سیکولرائز نہیں ہو سکتی۔ یہ لادینیت نہیں تو کیا ہے؟

☆ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن کے مطابق ’’سیکولرازم ایک ایسا نظریۂ حیات ہے جو غیر مذہبی اور مذہب دشمن اصولوں کی وکالت کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ سیکولرازم ایک ایسا طریقہ عمل ہے جس میں مذہبی حساسیت‘ فعالیت اور مسلمہ مذہبی قوانین اپنی سماجی وقعت کھو دیتے ہیں۔‘‘

☆ بعض مغربی مصنفین نے سیکولرازم کو یوں بیان کیا ہے: ’’سیکولرازم ایسا سیاسی اور سماجی نظام ہے جس کی بنیادیں مذہب اور مابعد الطبیعیاتی نظریات کی بجائے عقل اور سائنسی اصولوں پر رکھی گئی ہوں۔‘‘

مغربی علمی ماخذات پر ایک نظر دوڑایئے اور پھر ہمارے ان حضرات کی فکری بد دیانتی دیکھیں جو ببانگِ دہل لَب کُشا ہیں کہ سیکولرازم لادینیت تو نہیں ہے۔ عقیدے کی کسی بھی صورت کی آپ نے نفی کر دی‘ اپنی رائے‘ اپنی ذات‘ اپنے طرزِ عمل اور اپنی پوری حیاتِ اجتماعی پر آپ نے قدغن لگا دی‘ مذہب دشمن اصولوں کی وکالت کرنے والا طرزِ حیات اپنا لیا‘ مذہبی حساسیت‘ مذہبی فعالیت اور مذہبی قوانین کو معمولی سی اہمیت دینے سے بھی انکار کر دیا اور آپ نے مذہبی عقیدے کی ہر شکل اور مذہبی عبادت کی ہر قسم کی نفی کر دی۔ یہ سب دین کی نفی نہیں ہے تو کیا ہے؟ یہ لادینیت نہیں تو اور کیا ہے؟ ایک آدمی مسلمان ہوتے ہوئے سیکولر نہیں ہو سکتا‘ کیونکہ اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ سیکوالرزم مذہب کی نفی نہیں کرتا تو وہ خود دھوکے میں ہے۔ اور اگر وہ ایک اسلامی معاشرے میں اپنے نظریات کو خوش کن تصورات میں لپیٹ کر پیش کر رہا ہے‘ تاکہ انہیں قبولیت مل سکے تو وہ دوسروں کو دھوکہ دے رہا ہے۔

ہمارے دانشور صاحبان کہیں سیکولرزم کو اہل مذہب کے ناقص تصورات کے ردِ عمل میں ایک ناگزیر برائی کے طور پر تو نہیں لے رہے؟ اگر ایسا ہے تو انہیں جان لینا چاہیے کہ وہ ایک خوفناک غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں‘

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ اہل مغرب کی کلیسا کے خلاف بغاوت ایک قابلِ فہم بات تھی اور مغربی دنیا میں اس کی شاید ضرورت بھی تھی اور یہ کام آسان بھی تھا۔ اس لیے کہ مغربی دنیا جس مذہب کی پیروکار تھی‘ اس مذہب کی کتابوں میں قانون‘ معیشت‘ سیاست اور معاشرت سے متعلق کچھ ہدایات نہیں ملتیں۔ اناجیل اربعہ ہوں یا پورا عہد نامہ جدید‘ اس میں سرے سے کوئی بحث قانون کے بارے میں موجود ہی نہیں ہے۔ اس میں معیشت اور معاش کے بارے میں‘ سیاست اور حکومت کے بارے میں کوئی تفصیلی ہدایت نہیں ہے۔ اس لیے اگر مغربی دنیا نے یہ سمجھا کہ مذہب ان میدانوں میں رہنمائی فراہم نہیں کرتا‘ تو وہ ایسا سمجھنے میں شاید حق بجانب ہوں‘ اس لیے کہ واقعتاً ان کی موجودہ مذہبیت ان معاملات میں کوئی رہنمائی فراہم نہیں کرتی۔ پھر مذہب کے نام پر ایک ہزار سال تک ان کے ہاں جو ظالمانہ اور جبریہ نظام رائج تھا اس کا ردعمل یہی ہونا تھا کہ مذہب کو شخصی معاملہ قرار دے کر اجتماعیت کے دائرے سے نکال دیا جائے۔ لیکن جہاں مذہب کی اساس ہی قانون پر ہو‘ جہاں اخلاق اور قانون اتنے گہرے طور پر مربوط ہوں‘ جہاں مذہبی اور روحانی زندگی کی کامیابی کی واحد بنیاد قانون پر عمل درآمد ہو‘ جہاں روحانیات اور قانونیات ساتھ ساتھ چل رہے ہوں‘ وہاں یہ کہنا کہ قانون‘ ریاست اور سیاست کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں‘ یہ جہالت اور ناواقفیت بھی ہے اور بہت بڑا المیہ بھی۔

چونکہ وہ طبقہ جو آج نظام حکومت چلا رہا ہے‘ ان میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اسلامی روایات سے ناواقف ہیں‘ شریعت کی تفصیلات جاننے سے نہ دلچسپی رکھتے ہیں اور نہ ان کے مشاغل اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ سنجیدگی سے شریعت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ وہ جس تصورِ مذہب سے مانوس ہیں وہ مسیحی تصور مذہب ہے۔ مسیحی تصور مذہب کی رو سے مذہب کو شخصی معاملہ ہی ہونا چاہیے۔ اہل مغرب کی کوشش یہی رہی کہ مذہب کو شخصی معاملہ قرار دلوا کر‘ پوری دنیائے اسلام کی اس وحدت اور یک جہتی کو ختم کر دیا جائے جو ملت اسلامیہ سے وابستگی اور شریعت اسلام پر ایمان کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہے۔ اور جو مذہبی حضرات سیکولرازم کا بھونپو بجاتے دکھائی دیتے ہیں‘ وہ مغربی ترقی سے متاثر یورپین مذہبی تجربے کو پاکستان کے معاشرتی منظرنامہ پر تھوپنا چاہتے ہیں اور وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اسلام عیسائیت نہیں اور نہ مسلم دنیا مغربی تہذیب کا حصہ ہے۔ اسی لیے اس سارے عمل سے جو نتیجہ وہ نکالتے ہیں وہ غلط اور گمراہ کن ہوتا ہے۔

ہمارا روایتی مذہبی طبقہ بھی‘ الا ماشاء اللہ‘ آج اہل کلیسا کے راستے پر چل پڑا ہے۔ تمام زندگی منبر ومحراب میں گزار دی‘ لیکن نماز‘ روزے کے مسائل ہیں کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے۔ ہمیں بھی حق حاصل ہے کہ ہم اہل مذہب کے ناقص تصورات کے خلاف بغاوت کریں‘ لیکن ہمیں سیکولر ہونے کی کوئی ضرورت نہیں‘ کیونکہ مغرب کے برعکس ہمارے پاس اپنا مذہب (بلکہ دین) قرآن وسنت کی صورت میں حقیقی شکل میں موجود ہے۔ ہم ملائیت کو رد کریں گے تو سیکولر نہیں ہوں گے بلکہ قرآن وسنت سے رجوع کریں گے۔ اور یہی اعتدال کا راستہ ہے۔ ہم مذہبی ملائیت سے بیزار ہو کر سیکولر ملائیت کی لعنت میں گرفتار کیوں ہوں؟ ہم قرآن اور سنت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہنمائی کیوں نہ لیں؟ سیکولرازم عملاً ’’لادینیت‘‘ ہی کا نہیں‘ بلکہ ’’انتہا پسند لادینیت‘‘ کا نام ہے۔ مذہبی ملائیت ایک انتہا ہے اور لادین ملائیت یعنی سیکولرازم دوسری انتہا۔ یہ ردِعمل کی ایک کیفیت کا نام ہے جو اتنی ہی خوفناک ہے۔ چنانچہ اب اس سماج کو ایک طرف مذہبی انتہا پسندی کا سامنا ہے تو دوسری جانب سیکولر انتہا پسندی کا سماج نے اگر آگے بڑھنا ہے تو اسے ان دو انتہاؤں کے بیچ اعتدال کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ میرے نزدیک مذہبی انتہا پسندی اور سیکولر انتہا پسندی کے درمیان اعتدال کا راستہ ’’اسلام‘‘ ہے۔

سیکولرازم اسی وقت بطور نظریہ سامنے آتا ہے جب انسان کو مذہب میں اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑے۔ اگر کھل کر کہا جائے تو سیکولرازم ایک ہمہ گیر ضابطہ حیات ہے جسے مذہب کا متبادل کہا جا سکتا ہے۔ اسی حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے امریکن مفکر رابرٹ گرین نے سیکولرازم کو ’’انسانیت کا مذہب‘‘ قرار دیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ دنیا کو سمجھنے کے لیے انسان کو مذہب اور نیم مذہب نقطہ نگاہ سے نکالنے کا نام ہے‘ یعنی انسان کو مذہب سے بیگانہ کر دیا جائے‘ تاکہ وہ آخرت کی طرف نہ دیکھے اور محض دنیا کے ہنگاموں میں مصروفِ عمل رہے۔

سیکولرازم کے فروغ میں چند مغالطوں کا انتہائی اہم کردار رہا ہے‘ جسے بڑی دلیری سے پیش کیا جاتا رہا ہے:

۱) عقل پر مبنی نظام مذہب کی طرح راسخ الاعتقاد اور متشدّد (dogmatic) نہیں ہوتا۔

۲) عقلی نظام تبدیل ہوسکتا ہے‘ لہٰذا یہ رفع اختلافات کا بہتر فریم ورک فراہم کرتا ہے۔

۳) سیکولر ریاست کا کوئی اخلاقی ایجنڈا نہیں ہوتا‘ لہٰذا یہ کسی تصورِ خیر کی بیخ کنی نہیں کرتی‘ بلکہ خیر کے معاملے میں غیر جانبدار رہتی ہے۔

۴) سیکولر ریاست مذہبی اختلافات کا خاتمہ کر کے پُر امن بقائے باہمی اور تمام مذاہب کے فروغ کو یقینی بناتی ہے۔

۵) سیکولر ریاست فرد کی پرائیویٹ لائف میں مداخلت نہیں کرتی۔

۶) سیکولرازم‘ لادینی نہیں کثیر مذہبی نظام ہے۔

یہ اور اسی قبیل کے چند مزید نکات مغربی مصنفین اور ہمارے دیسی سیکولر حضرات مذہبی طبقے کے خلاف بطور ’’علمی دلیل‘‘ پیش کر کے رعب جماتے ہیں۔ درحقیقت سیکولرازم کے بارے میں اس قسم کے دعوے یا تو سیکولرازم سے جہالت کا غماز ہوتے ہیں اور یا پھر جانتے بوجھتے کذب بیانی۔ پہلی صورت میں ان کی حیثیت علمی دلائل نہیں‘ بلکہ مغالطہ انگیزیوں کی ہے‘ جب کہ دوسری صورت میں فریب کاری کی۔ سیکولرازم کی حقیقت کو آشکارا کرنے کے لیے مذکورہ بالا غلط العام مغالطہ انگیزیوں کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱) مذہبی عقیدہ چونکہ معیّن‘ غیر متبدّل و آفاقی ہونے کا مدّعی ہوتا ہے‘ لہٰذا یہ اپنے ماننے والوں میں ڈاگمیٹک (متشدّد) رویّے کو فروغ دیتا ہے‘ جو بالآخر نزاع اور جنگ وجدل کی کیفیت اختیار کر جاتا ہے‘ لہٰذا ضروری ہے کہ اجتماعی نظم مذہبی عقیدے کی بجائے عقل کی بنیاد پر ہو‘ کیونکہ عقلی نظریات مذہب کی طرح ڈاگمیٹک نہیں ہوتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر واقعی اسی بنیاد پر سیکولرازم کے حامی مذہبی اجتماعی نظم کو رد کرتے ہیں تو لازم ہے کہ عقلی تراشیدہ نظریات کو بھی رد کر دیں جو انتہائی متشدد اور کنزرویٹو ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اشتراکیت کا چمپیئن روس ہو یا ہیومن رائٹس کا داعی امریکہ، ہر ایک ''انسانیت کی بھلائی'' کے نام پر اپنے نظریات کو فروغ دینے کے لیے ہر قسم کا ظلم روا رکھے ہوئے ہیں۔ تاہم زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، لیبیا، عراق، افغانستان اور شام کے موجودہ حالات ہمارے سامنے ہیں۔ ان عقلی تراشیدہ نظریات کی تین سو سالہ تاریخ بتاتی ہے کہ عقل کے نام پر جتنے انسانوں کا قتل عام کیا گیا، جس منظّم طریقے سے اقوام کی نسل کشی کی گئی، جس استحصال اور لوٹ کھسوٹ سے کام لے کر پورے پورے براعظم ہڑپ کر لیے گئے، جس طرح خود اپنی تراشیدہ اخلاقی اقدار کی دھجیاں بکھیری گئیں اس کی نظیر پوری انسانی تاریخ مل کر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آخر یہ ڈاگمیٹزم نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر یہ ڈاگمیٹزم کوئی اتفاقی امر یا کسی انسانی اخلاقی کمزوری کا اظہار نہیں، بلکہ اس کی خالص علمی بنیادیں موجود ہیں۔ درحقیقت عقل کا نعرہ لگانے والا خود کو ''عقل کے جبر'' کا شکار پاتا ہے۔ عقل کے ہر مخصوص تصور پر یقین رکھنے کے نتیجے میں وہ تمام لوگ جو اس مخصوص تصور پر یقین نہیں رکھتے خود بخود جاہل قرار دیے جاتے ہیں، مثلاً جو لوگ ''ہیومن رائٹس'' کے ایجنڈے پر ایمان نہیں لاتے تو سیکولرز کے نزدیک وہ غیر عقلی، جاہل اور وحشی قرار دیے جاتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ مادی طبقاتی کشمکش کے قائل نہیں، اشتراکی سیکولروں کے نزدیک وہ عقل کے دشمن ہیں وغیرہ۔ ہر عقلی نظریہ ایک مخصوص انفرادی و اجتماعی رویے کو فروغ دیتا ہے اور دنیا کا کوئی نظریہ عقلی اور غیر عقلی رویے کو بھی مساوی اقدار کی حیثیت نہیں دیتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ''ہیومن رائٹس'' کی چمپیئن یورپی اقوام نے ریڈ انڈینز کا قتل عام اسی بنیاد پر روا رکھا کہ (جان لاک اور جیفرسن کے الفاظ میں) یہ ہیومن نہیں بھینسے اور بھیڑیے ہیں۔ عقل پرست پس پردہ یہ جھانسا دینے کی کوشش کرتے ہیں گویا دنیا میں عقل کا کوئی ایک ہی تصور ہے جس پر ساری دنیا ایمان رکھتی ہے، لہٰذا اس کی بنیاد پر کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔ ظاہر سی بات ہے کہ یہ ایک سفید جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں۔

۲) عقلی تراشیدہ نظام چونکہ تجربات کی روشنی میں متبدل ہوتے ہیں، لہٰذا یہ اختلاف کو ختم کرنے کا بہتر انتظام ہے۔ گویا یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ عقلی نظام ہائے زندگی کے اختلافات کے نتیجے میں اس طرح جنگ وجدل کی کیفیت برپا نہیں ہوتی جس طرح مذہبی اختلافات سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر امر واقعی ایسا ہی ہے تو ہم پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ جب سب عقل پرست ''فروغِ آزادی'' کا ہی نعرہ لگاتے ہیں، تو یہ نہ صرف آپس میں، بلکہ دوسروں سے بھی جنگ وجدل کی کیفیت میں کیوں مبتلا رہے ہیں اور آج بھی یہ سلسلہ تھمنے کا نام کیوں نہیں لے رہا؟ مثلاً لبرلز نے فرقہ مارکسزم کے بانی مارکس کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ انہی لبرلز نے نطشے کو یہودی اور پاگل کیوں کہا تھا (جب اس نے ان کا یہ پول کھولا تھا کہ تم عقل کے نام پر نئی قسم کے امپیریل ازم کو فروغ دے رہے ہو)؟ لینن اور ماؤ نے روس اور چائنا میں لبرلز اور قوم پرستوں کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ جرمنی کے نسل پرستوں نے ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ پھر ان دونوں نے نسل پرستوں کے ساتھ کیا سلوک کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا؟ آج تک ان باہمی جنگوں (خصوصاً جنگ عظیم اول و دوم) میں جو کروڑوں انسان قتل کر دیے گئے' ان نظریات کے فروغ کے لیے جن قوموں کی نسل کشی کر دی گئی (مثلاً ریڈ انڈینز وغیرہ) وہ کس کھاتے میں گئے؟ آج بھی یہ تمام فرقے ایک دوسرے کے ساتھ کیا معاملہ کر رہے ہیں؟ کیا یہ سب ایک دوسرے کو ''اپنا بھائی'' سمجھ کر ایک دوسرے کی خیر خواہی کے لیے کوشاں ہیں؟ تو پھر یہ کس منہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ''ہم نہ تو آپس میں کسی کو کافر کہتے ہیں اور نہ ہی لڑتے ہیں'' نیز ''مذہب کی تاریخ خونی تاریخ ہے؟''

پھر کوئی ان سے سوال کرے کہ ''آزادی'' کا جو نعرہ تم بلند کر رہے ہو کیا اس کے فروغ کا کوئی ''ایک اجماعی طریقہ'' ہے تمہارے پاس؟ چنانچہ معاملہ یہ ہے کہ جب ان سے یہ پوچھا جائے کہ آزادی کیسے حاصل ہوتی ہے' تو اس امر میں ہر کسی کا اپنا اپنا فرقہ اور ہر فرقے کا اپنا ایک الگ فلسفہ ہے۔ مثلاً انارکزم' لبرلزم' ڈیموکریٹک سوشل ازم' کمیونزم' نیشنل ازم' نسل پرستی' فیمینزم' پوسٹ ماڈرنزم وغیرہ ہر ایک کی فروغ آزادی کی اپنی ایک تشریح ہے اور ان میں یہ طے کرنے کا کوئی اصول موجود نہیں کہ آزادی کی درست تشریح کون سی ہے۔ جب حصولِ آزادی کا درست طریقہ ہی ان کے درمیان نزاعی امر ہے تو کس بنیاد پر یہ لوگ ریاست کو کسی ''ایک طریقے'' کا پابند بنانے کی بات کرتے ہیں؟ اگر مذہبی اختلافات ریاست کو کسی ایک طریقے کا پابند بنانے میں مانع ہیں تو یہ اختلافات کیوں نہیں؟ اس مقام پر سیکولر لوگ بڑی ہوشیاری سے اہل مذہب کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم ہر ملک کے عوام کو حق دیتے ہیں کہ وہ اپنے لیے جو بھی طرز حکومت اختیار کرنا چاہیں کر لیں۔ لیکن اگر یہ بات واقعی درست ہے تو پھر یہ سب آج تک ایک دوسرے کی ریاستوں میں نقب زنی کیوں کرتے چلے آ رہے ہیں؟ کبھی کمیونزم کے توسیع پسندانہ عزائم کے ساتھ تو کبھی ہیومن رائٹس و جمہوریت کے دفاع کے نام پر دنیا بھر میں استعمارانہ دھما چوکڑی کیوں مچا رکھی ہے؟ آخر پوری دنیا کی معیشت و ذرائع پر گرفت مضبوط رکھنے کے لیے عالمی نگران ایجنسیوں کا دائرہ کیوں بڑھاتے جا رہے ہو؟ گلوبلائزیشن کے نام پر قومی ریاستوں کو کمزور کرنے کا سلسلہ کیوں چلا رکھا ہے؟

۳) ایک مغالطہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ سیکولر ریاست تمام تصوراتِ خیر کے فروغ کے مساوی مواقع فراہم کرتی ہے۔ یاد رہے کہ سیکولر ریاست صرف انہی تصوراتِ خیر اور حقوق کو برداشت کرتی ہے جو اس کے اپنے ''تصورِ خیر'' (ہیومن رائٹس' یعنی ہیومن کی آزادی) سے متصادم نہ ہوں' اور ایسے تصورات خیر جو ہیومن رائٹس سے متصادم ہوں' ان کی بذریعہ قوت بیخ کنی کرتی ہے۔ اس حقیقت کو ایک آسان مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ فرض کریں ایک مسلمان لڑکی کسی کافر سے شادی کرنا چاہتی ہے یا مسلمان لڑکا کسی لڑکی سے بدکاری کرنا چاہتا ہے یا کسی لڑکے سے شادی کرنا چاہتا ہے' ظاہر ہے اس معاملے میں اسلامی معاشرہ و ریاست ہرگز اس کی اجازت نہیں دے گا' مگر چونکہ ہیومن رائٹس قانون ان افعال کو ہیومن کا حق قرار دیتا ہے لہٰذا اس ریاست میں افراد کو ان کی قانونی اجازت اور ریاستی سرپرستی حاصل ہو گی۔ اگر مسلمان اجتماعیت اس لڑکی اور لڑکے پر اپنا تصوّرِ خیر مسلّط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کی کوشش کرے گی تو سیکولر ریاست ان کے خلاف کارروائی کر کے ان کی سرکوبی کی کوشش کرے گی۔ اب دیکھئے مسلمان چاہتے ہیں کہ اپنے معاشرتی نظم کو تحفظ فراہم کریں مگر سیکولر ریاست عین اس کے برعکس قانون بناتی ہے۔ کیا اس کے نتیجے میں اسلامی معاشرت اور نتیجتاً اسلامی انفرادیت انتشار اور تحلیل کا شکار نہیں ہو جائے گی؟ پس خوب یاد رہے کہ اپنے مخصوص خیر کے معاملے میں سیکولر جمہوری ریاست بھی انتہائی راسخ العقیدہ (dogmatic) ہوتی ہے اور اپنے اس مخصوص تصور خیر سے متصادم کسی نظریے کی بالادستی کو روا نہیں رکھتی۔

اصولی بات یہ ہے کہ افراد کی ذاتی زندگیوں میں وہی اقدار' کیفیات' صلاحیتیں و اعمال پھلتے پھولتے ہیں جن کے اظہار کے اجتماعی زندگی میں مواقع موجود ہوں' جنہیں اجتماعی زندگی میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو نیز جن کے حصول و عدم حصول پر اجتماعی زندگی میں کامیابی و ناکامی کا انحصار ہو۔ ایسی اقدار جو اجتماعی زندگی میں لایعنی و مہمل تصور کی جاتی ہوں' یہ سمجھنا کہ لوگوں کی انفرادی زندگی میں پھلتی پھولتی رہیں گی' ایک غیر عقلی بات ہے۔ جس ذاتی زندگی کا اجتماعی زندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو آہستہ آہستہ مہمل بن کر اپنی موت آپ ہی مر جایا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج جب ہمارا اجتماعی سیکولر نظام فرد کو علم دین کے حصول کے لیے کسی درجے میں بھی مجبور نہیں کر رہا تو دینی علوم کا حصول افراد کی نجی زندگیوں میں غیر متعلقہ ہوتا جا رہا ہے' مگر سائنسی علوم ہر کسی کا مطمح نظر بن رہا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جدید اجتماعی زندگی اسی علم کے اردگرد تعمیر کی گئی ہے۔

اب ذاتی اور اجتماعی زندگی کے اس باہمی تعلق کو سامنے رکھ کر اس بات پر غور کریں کہ سیکولر ڈسکورس کا ایک اہم تقاضا آخرت کی اقداری حیثیت کا انکار کر دینا بلکہ اسے لایعنی و مہمل قرار دینا بھی ہے۔ چنانچہ سیکولر ڈسکورس کہتا ہے کہ معاشرتی و ریاستی صف بندی میں یہ سوال کہ افراد اس معاشرے میں زندگی بسر کرنے کے بعد جنت میں جائیں گے یا جہنم میں' ایک لایعنی و مہمل سوال ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ مسئلہ کہ آیا افراد کو معاشرے میں زیادہ نیکیاں اور کم گناہ کمانے کے مواقع میسر ہیں' ایک بے کار سوال ہے' کیونکہ جونہی نیکی اور بدی کے مواقع کا سوال اٹھایا جائے گا مذہب فوراً ذاتی زندگی سے نکل کر اجتماعی میدان میں آ جائے گا۔ اتنا ہی نہیں اس ریاست کے نزدیک خود 'نیکی و بدی' ہی لایعنی تصورات ہیں۔ اب ظاہر ہے اسلامی نکتہ نگاہ سے آخرت کی اقداری حیثیت بنیادی نوعیت کی ہے' یعنی یہاں معاشرتی و ریاستی صف بندی میں اصل اور فیصلہ کن سوال ہی یہ ہے کہ افراد کو جنت میں جانے کے مواقع زیادہ فراہم ہوں گے یا جہنم میں؟ مگر مذہب کو فرد کا نجی مسئلہ قرار دینے کا مطلب یہ اعلان کرنا ہے کہ مرنے کے بعد جنت و جہنم میں جانا اجتماعی نظم کی تشکیل میں بے کار و بے معنی سوال ہے' جبکہ اسلام میں سب سے اہم اور پہلا سوال ہی یہ ہے کہ مرنے کے بعد کوئی شخص کہاں جائے گا۔ اب دیکھئے مذہب اجتماعی نظم کے قیام کے لیے جس شے کی اقداری حیثیت و فوقیت کو کلیدی سمجھتا ہے' سیکولر ڈسکورس اسے لایعنی قرار دے کر نکال باہر کر دینا چاہتا ہے۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ سیکولر اجتماعی نظم بھی قائم ہو جائے مگر لوگوں کی زندگیوں میں آخرت بطور قدر بھی پنپتی رہے؟ صرف ایک فاتر العقل انسان ہی ایسا امکان سوچ سکتا ہے۔ جس خاندان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجتماعی اعمال اور فیصلے تقویٰ و پرہیزگاری سے متعلقہ سمجھے ہی نہ جا رہے ہوں آخر وہاں بچے کیونکر تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرتے رہنے کو ترجیح دیتے رہیں گے؟ اسے کہتے ہیں کہ people seek what the system rewards یعنی افراد اُسی شے کی تگ و دو کرتے ہیں جسے نظامِ قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

یہ محض نظریاتی باتیں نہیں' بلکہ دنیا میں جہاں بھی سیکولر جمہوری اقدار (آزادی' مساوات اور ترقی) کا فروغ ہوا' ان معاشروں کے افراد کی زندگیوں میں فکرِ آخرت اور مرنے کے بعد کی زندگی کا سوال بے کار ہوتا چلا گیا اور لذت پرستانہ فکرِ معاش فکرِ معاد پر غالب آ گیا۔ درحقیقت افراد کی نجی زندگی میں وہی اقدار پنپتی ہیں جو اجتماعی زندگی میں قابلِ قدر سمجھی جا رہی ہوتی ہیں۔ جن ذاتی اقدار کا اجتماعی زندگی میں کامیابی و ناکامی سے سرے سے کوئی تعلق ہی نہ ہو آخر فرد کیونکر انہیں اختیار کرتا چلا جائے گا؟ لہٰذا یہ کہنا کہ سیکولر نظم ''ہر تصورِ خیر'' کو فروغ کے مساوی مواقع فراہم کرتی ہے محض زبانی جمع خرچ اور سادہ لوح عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے۔ درحقیقت لبرل معاشروں میں سیکولر ریاست جس نظامِ زندگی کو جبراً مسلط کرتی ہے وہ لبرل سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی ہے' جس کے نتیجے میں سوائے ہیومن کے تمام اجتماعیتیں لازماً تحلیل ہو جاتی ہیں اور دیگر تمام نظام ہائے زندگی پر عمل کرنے کا دائرہ کار کم سے کم تر ہوتے ہوتے ختم ہو جاتا ہے۔

۴) یاد رکھنا چاہیے کہ مذہبی اختلافات یا اسلامی احکامات کی تشریح میں اختلاف کوئی ایسی شے نہیں جس کا ظہور آج پہلی دفعہ ہوا ہے۔ یہ تو قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک چلتا رہا ہے۔ اگر ان تمام تر اختلافات کے باوجود مسلمان تیرہ سو سال تک حکومتیں چلاتے رہے ہیں تو آج یہ یکا یک کیوں ناممکن نظر آنے لگا ہے؟ ان داعیانِ عقل وفکر کا مفروضہ یہ ہے کہ جس امر اور اصول میں اختلاف ہو' اجتماعی زندگی میں نا صرف یہ کہ وہ قابلِ عمل نہیں بلکہ اسے باہر رکھنا بھی ضروری ہے' جب تک کہ متعلقہ ماہرینِ علم کا اس پر اجماع نہ ہو جائے۔ درحقیقت یہ علمی دلیل نہیں' بلکہ دین پر عمل نہ کرنے کا بہانہ ہے' کیونکہ اگر یہ اصول زندگی کے ہر پہلو اور شعبے پر لاگو کر دیا جائے تو زندگی کا وجود صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لیے مٹ جائے گا۔

مثلاً اسی منطق کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ

☆ چونکہ ماہرینِ معاشیات کا اس امر میں اختلاف ہے کہ مالیاتی پالیسی کس طرح بنائی جانی چاہیے' لہٰذا اسٹیٹ بینک' پلاننگ کمیشن' ایف بی آر اور فنانس منسٹری وغیرہ کو اس وقت تک تالا لگا دیا جائے جب تک تمام ماہرینِ معاشیات کا اجماع نہ ہو جائے۔

☆ چونکہ ماہرینِ معاشیات کا غربت کی تعریف' اس کے اسباب و وجوہات اور اس کا سدِّباب کرنے کے طریقوں کے بارے میں اختلاف ہے' لہٰذا ساری دنیا میں غربت مٹانے والے پروگرام فی الفور بند کر دیے جائیں جب تک کہ اجماع نہ ہو جائے۔

☆ چونکہ ماہرینِ معاشیات کا اس امر میں اختلاف ہے کہ ملکیت کا کون سا نظام (نجی یا پبلک) اجتماعی ترقی کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضامن ہے' لہٰذا دنیا میں ملکیتوں کے تمام نظام معطل کر دیے جائیں جب تک کہ اجماع نہ ہو جائے۔

☆ چونکہ ماہرینِ طب (ایلو پیتھ' ہومیو پیتھ' حکمت) کا بیماریوں کی تشخیص اور ان کے علاج کے درست طریقہ کار کے بارے میں اختلاف ہے' لہٰذا تمام ماہرین طب کو فی الفور علاج سے روک دیا جائے جب تک کہ اس پر اجماع نہ ہو جائے۔

☆ چونکہ ماہرینِ سیاسیات کا اس امر میں اختلاف ہے کہ ریاست کی تعمیر وتشکیل کے لیے کون سا نظامِ ریاست (آمریت' جمہوریت' اور اگر جمہوریت تو اس کی کون سی شکل) درست ہے' لہٰذا دنیا میں ریاست کاری کے عمل کو اس وقت تک معطل رکھا جائے جب تک کہ اجماع نہ ہو جائے۔

☆ چونکہ ماہرین قانون کا آئین کی بہت سی بنیادی شقوں کی تشریح میں اختلاف ہے' لہٰذا آئین کو ایک طرف کر دیا جائے۔

یہ فہرست درحقیقت نہ ختم ہونے والی کڑی ہے۔ ذرا تصور کیجیے یہ تمام امور کس قدر اہم شعبہ جاتِ زندگی سے متعلق ہیں۔ اسی طرح غربت کا خاتمہ' نظام ملکیت کی بنیاد' ریاستی زری و مالیاتی پالیسی کا انتظام وانصرام اور سب سے بڑھ کر خود نظم ریاست کی بنیاد میں کون سا امر غیر ضروری ہے؟ اگر ان شعبہ جات وعلوم کے یہ ''بنیادی اختلافات'' ہمیں دنیا بھر میں ان کی معاشرتی و ریاستی اداراتی صف بندی (Institutionalization) سے نہیں روک رہے تو دینی طبقے کے اختلافات کیوں ہمیں اس عمل سے روکتے ہیں؟ اصل بات نیت کی ہے اور سچ ہے کہ جب ایک عمل کرنے کے لیے انسان کی نیت نہ ہو تو اسے بہانہ بھی دلیل نظر آتا ہے۔

اسی طرح جب یہ کہا جاتا ہے کہ سیکولر ریاست پُر امن مذہبی بقائے باہمی کو ممکن بناتی ہے یا حصول مذہب کے معاملے میں کسی پر جبر نہیں کرتی' تو فی الحقیقت اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مذہب کو اِس نظم میں مہمل ولایعنی قرار دیا گیا ہے' کیونکہ نظام اُسی شے کے حصول کے لیے جبر کرتا ہے جسے وہ قابل قدر سمجھتا اور بنانا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیکولر ریاست فرد پر سائنسی (بشمول فزیکل وسوشل سائنسی) علوم کے حصول کے لیے بھرپور جبر کرتا ہے کہ اس کے بغیر وہ اس نظام میں کامیاب نہیں ہوسکتا' جبکہ مذہب اس کے نزدیک محض کھیل تماشا ہوتا ہے۔ مگر ہمارے سادہ لوح مذہبی لوگ سیکولر نظام کی فراہم کردہ چند غیر متعلقہ مذہبی آزادیوں سے یہ دھوکہ کھا جاتے ہیں گویا یہ نظام مذہب کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ چنانچہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ سیکولر ریاست ہر مذہب کے چند انفرادی شعائر کی ادائیگی کا حق اس لیے نہیں دیتی کہ یہ انہیں قابل قدر یا اہم سمجھتی ہے' بلکہ صرف اس لیے دیتی ہے کہ یہ انہیں مہمل' لایعنی' اور غیر متعلقہ سمجھتی ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ ہمارے یہاں چند ایسے مفکّرین (مثلاً وحید الدین خان صاحب) بھی پیدا ہو گئے ہیں جن کے خیال میں اسلام پھیلتا ہی سیکولر نظام میں ہے' گویا زہر ہی ان کے نزدیک تریاق ہے۔ ایسے لوگ یا تو مذہب کو محض چند رسوم عبادت تک محدود سمجھتے ہیں اور یا پھر یہ سیکولر لوگوں کے دعوائے غیر جانبداریت سے انتہائی حد تک متاثر ہیں اور اسی وجہ سے اپنے تئیں یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چونکہ اسلام حق ہے لہٰذا جونہی اسے یہ نیوٹرل موقع ہاتھ آئے گا یہ اپنا لوہا منوالے گا۔لیکن اس قسم کے استدلال کو ان حضرات کی سادہ لوحی پر تو محمول کیا جا سکتا ہے' مگر علمی دنیا میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

اس مقام پر سیکولر لوگ تو کجا خود مذہبی لوگ ہی یہ استدلال پیش کرنے لگتے ہیں کہ چونکہ یہ تمام مذہبی گروہ آپس میں نزاعی کیفیت کا شکار ہیں اور ان کا باہمی رویہ ٹھیک نہیں' لہٰذا خود ان گروہوں کے حق میں یہ بہتر ہے کہ اقتدار کی کنجیاں ان کے پاس رہنے کے بجائے کسی غیر جانبدار قوت کے پاس رہیں۔سوچئے کس قدر عجیب ہے یہ استدلال؟' کیا باہمی ناگواریوں کو بنیاد بنا کر کسی ایسے تیسرے فریق کو گھر کا مالک بن بیٹھنے کی اجازت دی جا سکتی ہے جو ہم سب کا استحقاقِ ملکیت غصب کر کے گھر پر ایسا قانون مسلّط کر دے جو ہم سب ہی کے خلاف ہو اور ہم سب کی بیخ کنی کر دے؟ مستحکم سیکولر ریاستی نظام میں تو مسلم' عیسائی' ہندو ہونا ہی لایعنی' مہمل اور غیر متعلقہ شے بن جاتی ہے' چہ جائیکہ ان ذیلی شناختوں کی بقا کا تصور کیا جا سکے!

(۵) سیکولرازم کی پھیلائی ہوئی بہت سی مغالطہ انگیزیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ''سیکولر ریاست مذہبی ریاست کی طرح فرد کی ذاتی زندگی میں مداخلت نہیں کرتی' لہٰذا یہ مذہبی ریاست کی طرح جابرانہ نہیں ہوتی۔پس ریاست کو مذہبی نہیں بلکہ سیکولر بنیاد پر قائم ہونا چاہیے''۔مگر حقیقت یہ ہے کہ موجودہ جمہوری سیکولر ریاستیں انسانی تاریخ کی جابر ترین ریاستیں ہیں۔یہ ریاستیں نگرانی کے ایک ایسے جابرانہ نظام کے ذریعے فرد کی زندگی کو گھیرے میں لیے ہوئی ہیں جس کا تصور بھی پہلی ریاستوں کے لیے ممکن نہ تھا۔جدید ٹیکنالوجی (موبائل' انٹرنیٹ وغیرہ) کے ذریعے یہ مرکزیت قائم کرتے کرتے فرد کے فیصلوں پر مختلف الانواع طرق سے اثر انداز ہوتی ہیں' مثلاً موبائل ٹیکنالوجی کے ذریعے کون' کب اور کہاں موجود ہے؟ کون' کس سے' کتنی دیر تک اور کیا بات کر رہا ہے؟ کون کس سے' کتنی رقم لیتا اور کسے دیتا ہے؟ بذریعہ بینک ریاست سب جانتی ہے (اور بینکنگ کے علاوہ ٹرانزیکشن کے دیگر طریقے آہستہ آہستہ غیر قانونی قرار دیے جاتے ہیں کہ وہ ریاست کی نظر میں نہیں ہوتے)۔ کون شخص کس ویب سائٹ کو وزٹ کر رہا ہے' لائبریری سے کون لوگ کس قسم کی کتب حاصل کر رہے ہیں' ان تمام امور پر سیکولر ریاست کی کڑی نگرانی ہوتی ہے۔الغرض اس نظام میں شعوری طور پر ایسی ٹیکنالوجی ڈیزائن کی جا رہی ہے جو مرکزیت کو ممکن بنا سکے۔اس مرکزیت کے نتیجے میں فرد ریاست کے سامنے کلیتاً بے یار و مددگار ہو جاتا ہے۔جب تک ریاست کو فرد سے خطرہ لاحق نہیں ہوتا وہ اسے کھلا چھوڑے رکھتی ہے' فرد اس جھانسے کا شکار رہتا ہے کہ میں آزاد ہوں' مگر جونہی ریاست کو اس سے خطرہ لاحق ہوتا ہے اسے یوں غائب کر دیا جاتا ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔اور جدید مسلم ذہن کی برق گرتی ہے تو بیچارے اسلامی تاریخ کے ملوک پر کہ وہ جبر کیا کرتے تھے' مخالفین کو ٹھکانے لگا دیتے تھے' وغیرہ۔مگر جمہوری ریاست ایسوں کے ساتھ جو سلوک کرتی ہے یا تو انہیں اس کا اندازہ ہی نہیں اور یا پھر مارے شرم کے اس معاملے میں تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں۔

اسی طرح سیکولر فریم ورک میں فرد ایک ''کُلّی و اجتماعی پالیسی'' اخذ کرنے اور اسے جواز دینے کا صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک ''آلہ'' ہے۔ اس قسم کی انفرادیت پسندی کو Methodological Individualism کہتے ہیں۔ یہاں فرد صرف تجزیاتی میتھاڈولوجی میں وجود رکھتا ہے جو مخصوص پالیسیوں کو جواز دینے کا آلہ ہوتا ہے اور بس۔ اس فرد کی زندگی میں مداخلت کے ''اصولی حق'' کا استعمال تو سیکولر ریاست فرد کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی شروع کر دیتی ہے جب وہ ماں باپ کو اسے سکول بھیجنے کا پابند کرتی ہے جہاں اسے سیکولر ریاست سے منظور شدہ نصاب پڑھایا جانا ضروری ہوتا ہے تاکہ وہ اس قسم کا شہری بن سکے جیسا سیکولر ریاست چاہتی ہے۔ اگر ماں باپ اسے ریاست کی ترجیحات کے مطابق سٹیزن بنانے سے انکار کریں تو سیکولر ریاست ماں باپ سے بچہ چھین کر اپنی تحویل میں لے لیتی ہے۔ اپنے مجوزہ نصاب کے سوا شخصیت سازی کے دیگر تمام طریقوں و نصابوں کو کالعدم کر دینے اور انہیں ریگولیٹ کرنے کو بھی یہ اپنا فرضِ منصبی سمجھتی ہے۔ پس ذاتی زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ جسے ایک مذہبی ریاست اپنی علمیت کی بنیاد پر اخلاق کا دائرہ سمجھ کر اس میں مداخلت نہیں کرتی' ذاتی زندگی کا وہ دائرہ بھی سیکولر ریاست کی قانونی گرفت سے باہر نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک اسلامی ریاست کے ماتحت زندگی گزارنے والی مسلم قوم کے لیے سینکڑوں سال بعد بھی اپنی مذہبی شناخت قائم رکھنا ممکن ہوتا ہے' مگر جمہوری سیکولر ریاست افراد پر ہیومن رائٹس کا ایک ایسا جابرانہ قانونی فریم ورک مسلّط کرتی ہے جس کے بعد تمام تر روایتی شناختیں تحلیل ہو کر ہیومن رائٹس میں گم ہو جاتی ہیں۔ سب دیکھ سکتے ہیں کہ پختہ جمہوری ریاستوں میں تمام مذہبی شناختیں لایعنی و مہمل بن کر رہ گئی ہیں۔

یہ ان مزعومہ مسلم مفکّرین و مذہبی سکالرز کے لیے مقامِ افسوس ہے جو اس بنیاد پر جمہوری ریاست کی حمایت کرتے ہیں گویا یہ کوئی نیوٹرل (غیر جانبدار) ریاست ہوتی ہے' لہٰذا ان کے خیال میں یہاں فرد کو 'خدائی پلان' کے مطابق ''کفر و ایمان'' اختیار کرنے کا مساوی موقع میسر ہوتا ہے (اور پھر قرآنی آیت ﴿فَمَنۡ شَآءَ فَلۡيُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡيَكۡفُرۡ﴾ (الکھف:۲۹) سے اپنے اس بے معنی تجزیے کو استدلال سے مزیّن کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ ان بیچاروں کو مذہبی ریاست تو متعصب دکھائی دیتی ہے مگر سیکولر ریاست کا واضح علمی و عملی جبر ان کی آنکھوں سے اوجھل رہتا ہے۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے کہ یہ متجدّدین (جو اجتہاد کے نام پر دین پر طبع آزمائی کا ذوق رکھتے ہیں) جدید علمی (جاہلی) ڈسکورس سے ہی ناواقف ہیں۔

۶) سیکولر ریاست صرف لادین ہی نہیں' بلکہ مذہب دشمن بھی ہوتی ہے۔ جو حضرات سیکولرازم کو کثیر مذہبی ریاست کے نام پر پیش کرتے ہیں ان سے سوال یہ ہے کہ ریاستی قانون سازی کے اس عمل میں ان کثیر مذاہب کا قانونی کردار کیا ہوتا ہے؟ اگر تو اس کا معنی یہ ہے کہ ایسی ریاست قرآن' بائبل' گیتا وغیرہ سب کی تعلیمات کی روشنی میں قوانین مرتّب کرتی ہے تو یہ عملاً ناممکن ہے' لیکن اگر اس کا معنی یہ ہے کہ تمام الہامی کتب کی جگہ کسی دوسری بنیاد (مثلاً ہیومن رائٹس) پر قانون سازی ہوگی' جیسا کہ فی العمل سیکولرازم میں ہوتا ہے' تو پھر ''کثیر مذہبی ریاست'' کا کیا مطلب؟ یہ ریاست سب افراد کو اجتماعی دائرے میں اپنے اپنے مذاہب کی تعلیمات سے قانوناً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاتعلق کر دیتی ہے' اور نتیجتاً نجی دائرے میں مذہب کھیل تماشا بن جاتا ہے۔ یہی تاریخ کی گواہی بھی ہے۔

بہر حال سیکولرازم کے عَلَم برداروں نے کائنات کی بدیہی شہادتوں کے باوجود زندگی کی ساری عمارت کو اس بنیاد پر کھڑا کیا کہ دنیا میں جو کچھ ہے' وہ صرف مادہ ہے۔ نمو' حرکت ارادی' احساس' شعور اور فکر سب اسی ترقی یافتہ مادہ کے خواص ہیں۔ تہذیبِ جدید کے معماروں نے اسی فلسفے کو سامنے رکھ کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی عمارت تعمیر کی۔ ہر تحریک جس کا آغاز اس مفروضے پر کیا گیا کہ کوئی خدا نہیں' کوئی الہامی ہدایت نہیں' کوئی واجب الاطاعت نظامِ اخلاق نہیں' کوئی حشر نہیں اور کوئی جواب دہی نہیں' ترقی پسند تحریک کہلائی۔ اس طرح یورپ کا رُخ ایک مکمل اور وسیع مادیت کی طرف پھر گیا۔ خیالات' نقطہ نظر' نفسیات و ذہنیت' اخلاق و اجتماع' علم و ادب' حکومت و سیاست' غرض زندگی کے تمام شعبوں میں مادیت پرستی پوری طرح سرایت کر گئی۔ چرچ نے مذہب کے نام پر لوگوں کے ساتھ انتہائی برا برتاؤ کیا' ان کے مال کا ایک بڑا حصہ ان سے چھین لیا' ان کی دانشورانہ زندگیوں کو محدود کر دیا اور یہاں تک کہ مفکّروں اور سائنسدانوں کو زندہ جلا ڈالا' جبکہ دوسری طرف اسلام نے ہمیشہ سائنسی تحقیقات کے لیے دروازے کھلے رکھے ہیں اور دانشورانہ سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں سائنس اور مذہب کے درمیان دوستی دیکھنے کو ملتی ہے کہ پہلی وحی ہی ﴿اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۝۱﴾ (العلق) ''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا'' ہے۔ سائنس اسلام ہی کے دیے گئے ثمرات میں سے ایک ہے۔ آج کی سائنس اللہ کے حکم' پڑھنے' سیکھنے سکھانے اور غور و فکر بجا لانے کا ہی نتیجہ ہے۔ وہ لوگ جو سیکولرازم کو مسلم دنیا میں لانے کے خواہاں ہیں' اسلامی دنیا کی مذہبی تاریخ اور یورپ کی مذہبی تاریخ کے اس بڑے فرق کو نظر انداز کرتے ہیں جہاں سے سیکولرازم نے جنم لیا۔ ❁❁❁

اخلاص فی العبادت اور اقامتِ دین

کی اہمیت و فرضیت، بعنوان:

توحیدِ عملی

سورۃ الزمر تا سورۃ الشوریٰ کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت خاص 150 روپے، اشاعت عام 100 روپے

© rasailojaraid.com